خطبۂ صدارت

اجلاس ہشتم

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

بمبئی

منعقدہ ۱۵/۱۶ دسمبر ۱۹۸۶ء

از

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

کیمپ آفس آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ لکھنؤ

www.abulhasanalinadwi.org

بار اوّل

۱۴۰۷ھ — ۱۹۸۶ء

کتابت ——— ظہیر احمد کاکوروی

طباعت ——— لکھنؤ پبلشنگ ہاؤس (آفسٹ)

باہتمام

محمد غیاث الدین ندوی

انچارج مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ

طابع وناشر

کیمپ آفس آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

ندوۃ العلماء لکھنؤ یوپی

www.abulhasanalinadwi.org

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وحدہٗ والصلاۃ والسلام علی من لا نبیّ بعدہٗ

حضرات!

مجھے اجازت دیجئے کہ میں اپنا خطبہ دو بیش قیمت تاریخی، فکر انگیز اقتباسات سے شروع کروں، جو ہمارے ملک کے سیاسی و انقلابی، اصولی و اخلاقی اور جمہوری و سیاسی تاریخ میں سنگ میل اور روشنی کے میناروں کی حیثیت رکھتے ہیں اور جن سے اس ملک کی سیاسی، انتظامی و فکری قیادت اور عوام کو ہمیشہ روشنی و رہنمائی حاصل کرنی چاہیئے اور کبھی ان کو فراموش اور نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔

پہلا اقتباس جنگ آزادی کے نہ صرف معتبر و مستند بلکہ قابل فخر و مایۂ ناز قائد و محسن مولانا ابوالکلام آزاد کے اس خطبۂ صدارت کا ہے جو انھوں نے انڈین نیشنل کانگریس کے اجلاس رام گڑھ مارچ ۱۹۴۰ء میں دیا تھا۔

مولانا نے فرمایا:۔

"میں مسلمان ہوں اور فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ مسلمان ہوں، اسلام کی تیرہ سو برس کی شاندار روایتیں میرے ورثہ میں آئی ہیں، میں تیار نہیں کہ اس کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی ضائع ہونے دوں،

www.abulhasanalinadwi.org

اسلام کی تعلیم، اسلام کی تاریخ، اسلام کے علوم وفنون، اسلام کی تہذیب میری دولت کا سرمایہ ہے، اور میرا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کروں، بحیثیت مسلمان ہونے کے میں مذہبی اور کلچرل دائرہ میں اپنی ایک خاص ہستی رکھتا ہوں، اور میں برداشت نہیں کرسکتا کہ اس میں کوئی مداخلت کرے۔

لیکن ان تمام احساسات کے ساتھ میں ایک اور احساس بھی رکھتا ہوں، جسے میری زندگی کی حقیقتوں نے پیدا کیا ہے، اسلام کی روح مجھے اس سے نہیں روکتی، وہ اس راہ میں میری رہنمائی کرتی ہے، میں فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ میں ہندوستانی ہوں، میں ہندوستان کی ایک اور ناقابل تقسیم متحدہ قومیت کا ایک عنصر ہوں، میں اس متحدہ قومیت کا ایک ایسا اہم عنصر ہوں، جس کے بغیر اس کی عظمت کا ہیکل ادھورا رہ جاتا ہے، میں اس کی تکوین (بناوٹ) کا ایک ناگزیر عامل (FACTOR) ہوں، میں اپنے اس دعوے سے کبھی دست بردار نہیں ہوسکتا۔"[1]

دوسرا اقتباس ملک کے مشہور دانشور، محبِّ وطن، بین الاقوامی شہرت کے حامل، ماہر تعلیم، اور سابق صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں مرحوم کے اس خطبہ کا ہے، جو موصوف نے کاشی ودیاپیٹھ (بنارس) کے جلسۂ تقسیم اسناد میں ۱۴ر اگست ۱۹۳۵ء کو پڑھا تھا۔

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا:۔

---

[1] خطبات آزاد مطبوعہ ساہتیہ اکادیمی ص ۲۹۷-۲۹۸

www.abulhasanalinadwi.org

"آپ مجھے معاف فرمائیں اگر اس معزز مجمع کے سامنے میں صفائی سے یہ بات پیش کروں کہ مسلمانوں کو جو چیز متحدہ ہندوستانی قومیت سے بار بار الگ کھینچتی ہے، اس میں جہاں شخصی خود غرضیاں، تنگ نظری اور دیش کے مستقبل کا صحیح تصور نہ قائم کر سکنے کو دخل ہے، وہاں اس شدید شبہ کا بھی بڑا حصہ ہے کہ قومی حکومت کے ماتحت مسلمانوں کی تمدنی ہستی کے فنا ہونے کا ڈر ہے، اور مسلمان کسی حال میں یہ قیمت ادا کرنے پر راضی نہیں، اور میں بحیثیت مسلمان ہی نہیں، سچے ہندوستانی کی حیثیت سے بھی اس پر خوش ہوں کہ مسلمان اس قیمت کے ادا کرنے پر تیار نہیں اس لئے کہ اس سے مسلمانوں کو جو نقصان ہوگا، سو ہوگا ہی، خود ہندوستان کا تمدن پستی میں کہاں سے کہاں پہونچ جائیگا۔

گرچہ مثل غنچہ دل گیریم ما
گلستاں میرد اگر میریم ما[1]

حضرات!

ہندوستان جیسے عظیم ملک میں جو مختلف مذاہب، تہذیبوں، زبانوں اور معاشرتی و عائلی نظاموں کا صدیوں سے مرکز چلا آرہا ہے، اور جس نے اپنی طویل تاریخ کے تسلسل میں اس حقیقت کے نہ صرف اعتراف بلکہ احترام، اس خصوصیت کے نہ صرف باقی رہنے کی اجازت بلکہ اس کے تحفظ و ترقی اور اس کے ساتھ بقائے باہم

---

[1] (ترجمہ) اگرچہ ہم غنچہ کی طرح دل گرفتہ اور غمزدہ ہیں، لیکن ہم اگر نہ رہے تو گلستاں بھی نہ رہے گا۔
(تعلیمی خطبات (ڈاکٹر ذاکر حسین خاں مرحوم) مطبوعہ مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، دہلی، فروری ۱۹۵۲ء ص ۲۳-۲۴)

www.abulhasanalinadwi.org

اور مشترک ملکی اور قومی مفادات میں سرگرم اشتراک و تعاون کا ثبوت دیا ہے اور جس کے لئے نا مذہبی (SECULAR) اور جمہوری طرز حکومت (بشرطیکہ وہ پوری غیر جانب داری اور ذہن و ضمیر کی صفائی کے ساتھ ہو) سب سے زیادہ سہل العمل، بے خطر اور قابل قبول نظام ہو سکتا ہے، یہی طرز فکر مناسب ہے اور یہ نہ صرف کہنے والوں کی، اپنے اپنے ایمان و عقیدہ اور قلب و ضمیر کی صحیح ترجمانی ہے بلکہ حقیقت پسندی، سچی حُبّ الوطنی، اقوام و ملل، تمدّنوں و تہذیبوں اور علوم و فلسفہ کے وسیع اور گہرے مطالعہ کا نچوڑ اور کہنے والوں کی بلند نگاہی، روشن ضمیری، اصول پسندی اور اسی کے ساتھ اس اخلاقی جرأت کا نمونہ و مظاہرہ بھی ہے، جو ان دونوں قائدین فکر و سیاست کے ہر طرح شایان شان ہے۔

اسی حقیقت پسندی اور صحیح جمہوریت کے قیام اور ملک کے مختلف فرقوں، آبادی کے مختلف النّوع عناصر اور اقلیتوں کو مطمئن رکھنے اور ان کی صلاحیتوں اور توانائیوں کو (جو ملک کا قیمتی سرمایہ ہے) اپنے مذاہب و عقائد، اپنے تمدّنوں و تہذیبوں اور اپنے معاشرتی و عائلی اصولوں اور نظاموں کی حفاظت و دفاع میں صرف کرنے کے بجائے ملک کی تعمیر و ترقی، اس کی سالمیت کی حفاظت اور اس کے استحکام اور بین الاقوامی عزت و مقام کے کام پر مرکوز رکھنے کے لئے دستور ہند میں دفعہ ۲۵ شامل کی گئی جس کا تعلق بنیادی حقوق سے ہے اور جس میں ہندوستانی شہریوں کو پوری مذہبی آزادی دی گئی ہے، اس دستور کے الفاظ حسب ذیل ہیں:۔

"امن عامہ، اخلاق اور صحت اور نیز اس حصہ میں مندرج دوسری دفعات کو ملحوظ رکھتے ہوئے تمام اشخاص کو ضمیر کی آزادی اور

www.abulhasanalinadwi.org

آزادانہ طور پر مذہبی عقیدہ رکھنے، اس پر عمل کرنے اور تبلیغ واشاعت کا یکساں حق ہوگا۔"

یہ دفعہ ہندوستان کی سیاسی، نسلی، تمدنی، تہذیبی، مذہبی و نفسیاتی صورتِ حال کے عین مطابق تھی، اور اس پر پوری دیانت داری، خلوص اور عزم و فیصلہ کے ساتھ عمل کرنے کی ضرورت تھی۔

لیکن اس قابلِ احترام دستورِ ہند کا جس میں ملک کے ماہرین قانون اور دستور سازوں کی بہترین ذہنی، قانونی صلاحیتیں صرف ہوئیں جس نے بہت وقت لیا، اور جس کے ایک ایک لفظ بلکہ ایک ایک نقطہ اور شوشہ پر طویل اور عمیق بحثیں اور موشگافیاں ہوئیں، یہ عجیب و غریب تضاد بلکہ دنیا کی دستور سازی کی تاریخ کا ایک معمہ ہے کہ اس کے بعد ہی دفعہ ۴۴ کی شکل میں یکساں مدنی قانون (UNIFORM CIVIL CODE) کی دفعہ شامل کی گئی، اور اس کو دستورِ ہند کے رہنما اصول (DIRECTIVE PRINCIPLE) کا درجہ دیا گیا، اس دستور کا متن حسبِ ذیل ہے:-

"مملکت، ہندوستان کے پورے قلمرو میں شہریوں کے لئے یکساں مدنی ضابطہ (UNIFORM CIVIL CODE) کے حصول کی سعی کرے گی۔"

جس وقت دستور کی ترتیب عمل میں آئی تھی، اس وقت مسلم زعماء کو اطمینان دلایا گیا تھا کہ دستورِ ہند کے بنیادی حقوق (FUNDAMENTAL RIGHTS) کی دفعات کے ذریعہ مسلم پرسنل لا کو محفوظ کر دیا گیا ہے، اور بنیادی حقوق کی دفعات رہنما اصول سے زیادہ اہم ہیں، لیکن دور بیں نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ جہاں تک

www.abulhasanalinadwi.org

مسلمانوں کے عائلی قوانین اور نظام معاشرت کا تعلق ہے (جو ان کے مذہب کا جزء لاینفک) (INSEPARABLE PART) ہے، دستور ہند کے اس تار و پود میں ایک آتش گیر (EXPLOSIVE MATTER) مادّہ رکھ دیا گیا ہے، جو کسی وقت بھی کسی ادنیٰ تحریک یا باہر کی گرم ہواؤں کے اثر سے آگ پکڑ سکتا ہے، اور ان مذہبی و قانونی تحفظات کو جلا کر فنا کر سکتا ہے، جن کی دستور نے ضمانت دی تھی، چنانچہ واقعات کی قدرتی رفتار، اور ان مختلف عوامل و محرکات (FACTORS) کے ماتحت جن کا تعلق مسلمانوں کے عائلی قانون (PERSONAL LAW) کی صحیح نوعیت اور اس کے ان کے مذہب سے تعلق اور اس سلسلہ میں مسلمانوں کے عقائد و جذبات اور نفسیات سے ناواقفیت، فکر و نظر کی سطحیت سے بھی ہے اور ہندو احیائیت (HINDU REVIVALISM) کے جذبہ اور سیاسی و انتخابی مصالح اور اکثریت کو خوش کرنے کے جذبہ سے بھی ہو سکتا ہے، یہ خطرہ سامنے آگیا، اور ایک عرصہ کی خاموشی کے بعد ۱۹۷۲ء میں مختلف اسباب و محرکات کی بناء پر ہندوستان میں مختلف فرقوں کے عائلی قانون (PERSONAL LAW) کی وحدت اور مسلم پرسنل لا کی اصلاح و ترمیم کی پھر ایک بار بلند آہنگی کے ساتھ آواز بلند ہوئی، یہ آواز تھوڑے تھوڑے وقفوں کے ساتھ مختلف وقتوں میں مجلس قانون ساز کے اندر اور مجلس قانون ساز کے باہر بلند ہوتی رہی، لیکن مختلف سیاسی مصلحتوں سے اور مسلم رائے عامہ کی برہمی کے خوف سے (جس کا الکشن پر بھی اثر پڑنے کا خطرہ تھا) دبائی جاتی رہی، اور حکومت ہند نے کئی بار اپنے اعلیٰ ذمہ داروں کی زبان سے اس کا اعلان کیا کہ ایسا کرنے کی

www.abulhasanalinadwi.org

اس کی کوئی نیت نہیں ہے، اور جب تک متعلق فرقے خود اس خواہش کا اظہار اور اس کا مطالبہ نہ کریں اس کو اس مسئلہ سے کوئی دلچسپی نہیں، لیکن اسی کے ساتھ خود ان فرقوں کے متعدد افراد پارلیمنٹ کے اندر اور پارلیمنٹ کے باہر یہ آواز اٹھاتے رہے، اور بعض دور بین نگاہوں نے یہ محسوس کیا کہ یہ محض ان کے ضمیر کی آواز نہیں ہے، بلکہ ان کی زبان حال کہتی ہے کہ ؎

از پسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
انچہ استاد ازل گفت ہمہ می گویم

حقیقت جو کچھ بھی ہو اتنا اندازہ ہو گیا کہ ملک کے قانون سازوں اور ارباب اختیار کے ذہن اس معاملہ میں صاف نہیں ہیں، اور کسی وقت بھی خاکستر کے نیچے کی یہ چنگاریاں شعلہ بن کر بھڑک سکتی ہیں۔

اس مسئلہ کے دو بڑے محرک ہیں، ایک یہ کہ "سلطانیٔ جمہور" کے اس دور میں قانون سازی کا دائرہ زندگی کے تمام شعبوں پر محیط سمجھا جاتا ہے اور عائلی قوانین زندگی کا ایک ایسا اہم شعبہ ہے، جو افراد کی زندگی پر بھی اثر انداز ہوتا ہے، اور افراد کو ایک دوسرے سے مربوط بھی رکھتا ہے، جن قوموں یا مذہبی فرقوں میں "آسمانی قانون" کا کوئی تخیل یا عقیدہ نہیں ہے، اور وہ عائلی قوانین کو محض زندگی کے تجربات کا نتیجہ اور خواہشات وضروریات کی تکمیل کا ذریعہ سمجھتے ہیں، (اور بدقسمتی سے دو بڑے آسمانی مذہبوں، اسلام اور یہودیت کے علاوہ عام طور پر مذہبی قوموں اور فرقوں، بالخصوص آریائی نسلوں میں یہی تخیل پایا جاتا ہے) ان قوموں اور فرقوں میں اس قانون میں حالات اور ضروریات کے مطابق تبدیلی اور زندگی سے اس کی

www.abulhasanalinadwi.org

مطابقت کا احساس اور مطالبہ بالکل قدرتی امر و بدیہی حقیقت ہے، اس لئے کہ وہ انسانوں ہی کے اپنے اپنے زمانہ کے مطابق بنائے ہوئے قوانین ہیں، زمانہ بدل جانے اور حالات تبدیل ہو جانے سے انسانوں ہی کے ہاتھوں ان میں اصلاح و ترمیم اور تبدیلی نہ صرف جائز بلکہ بعض اوقات فرض و واجب ہو جاتی ہے۔

دوسرا بڑا محرک کسی ملک کی آبادی کے مختلف عناصر اور اجزاء میں زیادہ سے زیادہ ہم رنگی و وحدت (UNIFORMITY) کا وہ عالمگیر رجحان ہے، جس کا تقریباً اس صدی کے اوائل سے بڑی قوت و شدت کے ساتھ پروپیگنڈہ کیا گیا، اور اس میں ادب و شاعری، علم و سیاست، اور صحافت و خطابت سب نے پورا حصہ لیا ہے، یورپ سے (جہاں کے اکثر ملکوں میں ایک ہی تہذیب، ایک ہی معاشرتی نظام ایک ہی عائلی قانون اور اکثر ایک ہی مذہب اور زبان رائج ہے) یہ خیال ان مشرقی و ایشیائی ممالک میں آیا جہاں کئی کئی مذہب مختلف تہذیبیں اور مختلف معاشرتی و عائلی نظام پائے جاتے ہیں، لیکن یہ مذاہب، تہذیبیں، اور مختلف معاشرتی نظام کبھی بھی باہمی نفرت، زور آزمائی اور انتشار کا باعث نہیں ہوئے، انتشار و افتراق کا اصل سبب ہمیشہ ملکوں کے سیاسی اغراض اور قوموں کے سیاسی رہنماؤں کے ذاتی مفادات ثابت ہوا ہے، خود یورپ میں مکمل مذہبی، تہذیبی اور عائلی وحدت کے باوجود دو دو خوں آشام جنگیں ہو چکیں، جن کے شعلوں سے مشرق و ایشیا کا دامن بھی نہیں بچ سکا، پہلی جنگ عظیم بھی اصلاً و ابتداءً برطانیہ اور جرمنی کے درمیان ہوئی تھی، جرمن اور انگریز دونوں نہ صرف یہ کہ کرسچین ہیں، بلکہ پروٹسٹنٹ بھی ہیں، اور ان کا عائلی قانون و معاشرت تقریباً ایک ہے، پھر یہ دونوں دشمنوں کی طرح کیوں لڑے؟ اگر یونیفارم سول کوڈ

www.abulhasanalinadwi.org

جنگ کو روک سکتا ہے اور نبرد آزمائی اور تصادم سے باز رکھ سکتا ہے، تو اس کو وہاں روکنا چاہیئے تھا، پھر دوسری جنگ عظیم کا بھی یہی حال تھا کہ وہ دونوں ملک اس طرح سے لڑے جیسے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوں، آپ عدالتوں میں بھی جا کر دیکھ آیئے کہ مسلمان مدّعی ہے، اور مسلمان ہی مدّعیٰ علیہ ہے، مسلمان مسلمان کی عزت کو خاک میں ملا دینا چاہتا ہے، اس کے گھر پر ہل چلا دینا چاہتا ہے، ان دونوں کا عائلی قانون بھی ایک ہے، بعض اوقات تو خون بھی ایک ہوتا ہے، دونوں فریق ایک نسل ایک خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، یہی حال ہندو فرقہ کا بھی ہے کہ اس میں بھی عائلی قانون (PERSONAL LAW) کی یکسانی اور اشتراک کے باوجود مقدمہ بازی، خانہ جنگی، اور ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا جاتا، درحقیقت اختلافات اور دشمنیوں کا تعلق نفسانیت اور دولت پرستی کے جنون سے اور حد سے بڑھی ہوئی مادیت سے ہے، اُس غلط نظام اور نصاب تعلیم سے ہے جس نے اخلاقیات کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے، اس کا تعلق ہرگز عائلی قانون کے اختلاف سے نہیں ہے، میں ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہوں اور چیلنج کرتا ہوں کہ عائلی قانون ایک ہو جانے سے اخلاقی صورت حال میں قطعاً ایک ذرہ کا فرق بھی نہیں پڑے گا، پھر کیوں بار بار اس کا حوالہ دیا جاتا ہے کہ یونیفارم سول کوڈ ہونا چاہیئے تاکہ آپس میں اتحاد و اُلفت پیدا ہو؟ طوطے کی طرح اس بات کو دہراتے رہنا سطحیت (LOOSE THINKING) مرعوبیت اور اندھی تقلید کی ایک افسوسناک مثال ہے۔

ان دو محرکات کے ساتھ (معذرت کے ساتھ) یہ بھی اضافہ کرنا پڑتا ہے کہ بعض فرقوں کے عائلی قوانین میں ایسی ناہمواریاں اور نقائص پائے جاتے ہیں،

اس لئے ایک بار یہ مان لینے کے بعد کہ وہ خدا کا بنایا ہوا قانون ہے، جو ایک زندہ جاوید اُمّت اور ایک عالمگیر اور دائمی شریعت کے لئے بنایا گیا ہے، تو ترمیم اور تبدیلی کی ضرورت کا مطالبہ ایک کھلے منطقی تضاد (اور جہاں تک مسلمان کہلانے والے اشخاص کا تعلق ہے) ایک اعتقادی و عملی نفاق کے سوا کچھ نہیں، پھر معاملہ صرف ایمان بالغیب اور مذہبی عقیدت اور عصبیت کا نہیں، اس قانون کے مکمل متوازن اور عادل ہونے اور زمان و مکان کی تبدیلی پر حاوی ہونے کے عقلی و علمی شواہد، اور مسلم و غیر مسلم، مشرقی و مغربی فضلا، جری و انصاف پسند محققین کے واضح اعترافات اور علمی تجربے اتنے ہیں کہ کوئی "شپرہ چشم" ہی ان سے انکار کر سکتا ہے، اس موضوع پر متعدد نامور فضلاء نے قلم اٹھایا ہے، اور بڑا قیمتی مواد جمع کر دیا ہے۔

ہندوستان میں جب یہ مسئلہ اٹھا اور دیکھنے والوں کو یہ نظر آیا کہ اُفق پر خطرہ کی علامتیں نمایاں ہو گئی ہیں، اور یہ بادل جو ابھی کسی کسی وقت گرجتا ہے، کسی وقت ضرور برسے گا، تو انھوں نے "مسلم پرسنل لا بورڈ" کے نام سے دسمبر ۱۹۷۲ء میں بمبئی میں ایک متحدہ پلیٹ فارم بنایا جس سے وقتاً فوقتاً قانون سازی کی نوعیت اور اس کے رُخ کا جائزہ لیا جاتا رہے، اور مسلمانوں کی رائے عامہ کو بیدار رکھنے کا سامان کیا جاتا رہے، تاکہ اچانک ان پر یہ یا کوئی دوسرا مسئلہ شبخون نہ مارنے پائے، یہ ایک ایسا نمائندہ بورڈ تھا جس کی مثال اپنی وسعت اور عمومیت

www.abulhasanalinadwi.org

(اور ایسا مخلص سے مخلص اور لائق سے لائق انسان قانون سازوں کے بنائے ہوئے قوانین میں بھی ہونا ضروری ہے) کہ ان کی اصلاح اور جدید حالات کے مطابق نئے قوانین کا وضع کرنا ایک رفاہی جمہوری (WELFARE DEMOCRATIC) حکومت کا بھی فرض ہے، اور اس فرقہ کے فرض شناس اور حقیقت پسند رہنماؤں اور نمائندوں کا بھی، اس لئے ہمیں اس معاملہ میں (جہاں تک ان قوموں کا تعلق ہے) نہ ملامت کا حق ہے، نہ احتجاج کا۔

لیکن جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، صورت حال اس سے قطعاً مختلف ہے، ان کے ایمان وعقیدہ کا جزء ہے کہ ان کا عائلی قانون (FAMILY LAW) اسی خدا کا بنایا ہوا ہے، جس نے قرآن اتارا اور عقائد وعبادات کا قانون عطا کیا، سارا قرآن مجید ان تصریحات سے بھرا ہوا ہے، مسلمان اس عقیدہ پر ایمان لانے پر مجبور ہیں، اور اس کے بغیر وہ مسلمان نہیں رہ سکتے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قانون خدائے علیم وخبیر کا بنایا ہوا ہے، جو انسان کا بھی خالق ہے، اور اس کائنات کا بھی، اس کی فطری ضرورتوں اور کمزوریوں دونوں سے واقف ہے، وہ فرماتا ہے:-

اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ط وَھُوَ	کیا وہی آگاہ نہ ہوگا جس نے پیدا
اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ○	کیا ہے؟ وہ تو (بڑا ہی) باریک بیں
(سورۃ الملک ۔ ۱۴)	اور (پورا) باخبر ہے۔

اسی طرح وہ زمانہ کا بھی خالق ہے، ہمارے لحاظ سے ماضی حال ومستقبل کی تقسیم کتنی ہی صحیح اور ضروری ہو، اس کے لحاظ سے سب ماضی ہی ماضی ہے،

تشکیل اور اس کے ان شاندار اور بے نظیر جلسوں کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ حکومت اور مسلم پرسنل لا میں اصلاح وترمیم کی آواز بلند کرنے والے حضرات کو ہوا کا رُخ معلوم ہوگیا، اور اتنا ثابت ہوگیا کہ مسلمان اس مسئلہ پر صدفی صد متفق ہیں، اس لئے دانشمندی، حقیقت پسندی، اور انتخابی سیاست کا بھی تقاضہ ہے کہ اس مسئلہ کو اٹھانے میں احتیاط کی جائے۔

یہ صورتِ حال قائم تھی، اور مسلمان اقلیت اور اس معاشرہ وماحول کے دریا کی سطح ساکن تھی کہ ۲۳ اپریل ۱۹۸۵ء کو سپریم کورٹ نے شاہ بانو کیس میں نفقہ مطلقہ کے بارے میں وہ ہنگامہ خیز فیصلہ دیا جس سے ملّتِ اسلامی مسلم معاشرہ اور علماء ودانشوروں اور مسلم ماہرین قانون کے حلقہ میں ایک ایسا تلاطم اور طوفانی کیفیت پیدا ہوئی جس کی نظیر اپنی وسعت وعمومیت، شدّت احساس بلکہ اذیّت وکرب کے لحاظ سے عظیم فرقہ وارانہ فسادات، خوں ریزی وانسان سوزی کے لرزہ خیز واقعات کی موجودگی میں بھی نہیں ملتی، اس لئے کہ یہ مسلمانوں کے تہذیبی، معاشرتی ارتداد، شریعت اسلامی سے بغاوت اور اس کے برکات سے محرومی کا پیش خیمہ اور:-

وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ	جو کوئی اللہ کے نازل کئے ہوئے
فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ ○	احکام کے مطابق فیصلہ نہ کرے
(سورۃ المائدہ ۔ ۴۴)	تو یہی لوگ کافر ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

مسلمان ججوں کے لئے قرآنی آیات، اس کے الفاظ و اصطلاحات کی دوسری زبانوں کے ترجمہ کی مدد، سکنڈ ہینڈ معلومات، سطحی اور عاجلانہ مطالعہ اور بعض اوقات "ترقی پسندی" یا بیرونی اثرات و مؤثرات سے تأثر کا نتیجہ بھی ہو سکتا ہے، من مانی تفسیر اور خواہشمندانہ تشریح (WISHFUL THINKING) کا آزادانہ موقعہ مل سکتا ہے، اور یہ نہ صرف دین و شریعت، مذہبی صحیفوں بلکہ دنیا کے دائمی عالمگیر اصول، اختصاص (SPECIALISATION) اور علوم و فنون میں اتھارٹی (AUTHORITY) کے تسلیم و احترام کے اس اصول کے خلاف تھا جو ساری علمی، فنی دنیا میں صدیوں سے تسلیم کیا جا رہا ہے، اور جس پر زبان و ادب، فلسفہ، منطق، سائنس و ٹکنالوجی، اجتماعیات، و مدنیات کا نظام چل رہا ہے۔

اس موقعہ پر ہندوستان کی ملت اسلامیہ نے اپنے دین و شریعت سے وابستگی، اسلام سے وفاداری اور ملی عزت، و خودداری کا ایسا ثبوت دیا جس کی نظیر عرصۂ دراز سے ملی و دینی تحریکات کی تاریخ میں دیکھنے میں نہیں آئی، ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک عظیم الشان جلسے ہوئے، جن میں بعض اضلاع اور چھوٹے مقامات میں ایک ایک لاکھ سے زیادہ کا مجمع تھا، کلکتہ کے جلسۂ عام میں جو ۷ / اپریل ۱۹۸۵ء کو شہید مینار میدان میں منعقد ہوا تھا، محتاط اندازہ کے مطابق پانچ لاکھ (نصف ملین) انسان تھے، شمالی ہند سے جنوبی ہند کے آخری سرے، کشمیر کی فلک بوس چوٹی سے جنوب میں کنیا کماری تک جلسوں کا ایک طوفان امنڈ پڑا، جس میں بورڈ کے ذمہ دار ترین ارکان اور ملک کے ممتاز ترین علماء بذات خود شریک تھے، اس کے علاوہ وزیر ہند

مسٹر راجیو جی اور وزیر قانون کے نام ہزاروں کی تعداد میں احتجاجی تار اور جلسوں کی تجویزیں بھیجی گئیں۔

اس کے بالمقابل انگریزی و ہندی پریس نے اس مسئلہ پر ایسی مخالفانہ صف آرائی (OPPOSED TOOTH AND NAIL) کا مظاہرہ کیا جس کی مثال شاید تقسیم ہند اور جداگانہ قومیت کے مسئلہ پر بھی دیکھنے میں نہیں آئی تھی، پریس اور فرقہ پرست جماعتوں کی قیادت نے اس مسئلہ میں مسلمانوں کی اس شدت احساس اس فیصلہ کو تبدیل کرانے کی کوشش اور ایک جزوی عائلی مسئلہ میں اسلام کے قانون شرعی پر عمل کرنے کی اجازت کو بحال رکھنے کے مطالبہ کو جس سے ایک فرقہ (مسلمانوں) کے ایک محدود طبقہ (خواتین) کی ایک چھوٹی سی تعداد (مطلقہ خواتین) _____ متأثر ہوتی تھی کو اس نظر سے دیکھا گویا اس ملک پر کوئی غیر ملکی طاقت حملہ کرنے والی ہے، یا کوئی ہیبت ناک کوہ آتش فشاں پھٹنے والا ہے، یا کوئی ملک گیر مہلک وبا پھیلنے والی ہے، جیسا کہ میں نے اپنے دہلی کے ڈائلاگ (DIALOGUE) اور پریس کانفرنس میں کہا ہے "انھوں نے اس بارے میں اصول "احساس تناسب" (SENSE OF PROPOR TION) کو بھی بالائے طاق رکھ دیا"

اس ملک گیر عوامی احتجاج اور عظیم الشان جلسوں کے ساتھ (جس میں نظم و احترام، قانون اور سنجیدگی، وقار کا پورا لحاظ رکھا گیا) بورڈ کے ذمہ داروں نے وزیر اعظم ہند راجیو جی سے اور ان کے اشارہ و ہدایت سے جمہوریہ ہند کے وزیر قانون مسٹر اشوک سین اور ان کے رفقاء سے رابطہ قائم رکھا، انھوں نے راجیو جی سے دو تین مرتبہ شخصی اور خصوصی ملاقاتیں کیں، اور آزادانہ و بے تکلفانہ فضا میں ان کو اس مسئلہ کی نوعیت

www.abulhasanalinadwi.org

واہمیت، مذہبی و شرعی نقطۂ نظر، اور اس سلسلہ میں مسلمانوں کے جذبات و تاثرات سے واقف کرانے کی مخلصانہ کوشش کی، راجیو جی نے بھی (جن کو یقیناً اس سلسلہ میں مسلمانوں کے اضطراب و بے چینی اور عظیم الشان جلسوں کی رپورٹ پہونچ چکی ہوگی) صبر و سکون اور احترام کے ساتھ یہ باتیں سنیں اور وہ اس بارے میں مطمئن (CONVINCED) ہوگئے کہ یہ مسلمانوں کا خالص مذہبی مسئلہ ہے، اور اس کی صحیح ترجمانی وہی علماء کر سکتے ہیں، جن کا دین کا مطالعہ گہرا اور وسیع ہے، اور وہ مسلمانوں کے نزدیک دین و شریعت کے صحیح ترجمان ہیں، اور اس سے کوئی سیاسی فائدہ نہیں اٹھانا چاہتے، چنانچہ انھوں نے ایک سے زائد بار اس کا اظہار کیا کہ انھوں نے اس مسئلہ پر نامور علماء سے تبادلۂ خیال کر لیا ہے، اور وہ مطمئن ہیں کہ اسلام طبقۂ اناث (FEMALE SEX) بشمول مطلقہ خواتین کے حقوق کا پورا تحفظ کرتا ہے، اس سلسلہ میں یہاں تک ان کے الفاظ نقل کئے گئے ہیں کہ وہ موجودہ قانون سے بھی زیادہ ان کے حقوق کا تحفظ کرتا ہے، اور ان کو حق دیتا ہے، وہ حقیقت پسندی، اخلاقی جرءت، اور احساس ذمہ داری، اور عزم و فیصلہ کے ساتھ مطلقہ خواتین کے حقوق کے تحفظ کا بل پارلیمنٹ میں لائے اور اس پر واضح اور طاقتور وہپ (WHIP) جاری کیا، اور وہ ۶ رمئی ۱۹۸۶ء کو "تحفظ حقوق مسلم مطلقہ بل" کے عنوان سے کھلی اکثریت کے ساتھ پاس ہوا، اور مسلمانوں نے ایک ایسی ملت کی طرح (جو صحیح و غلط تائید و مخالفت اور خلوص و سیاست میں فرق کرنے کی صلاحیت سے محروم نہیں ہوئی) اس شریفانہ اور جرءت مندانہ اقدام کا پوری فراخ دلی اور جذبۂ شرافت کے ساتھ اعتراف اور اپنے تشکر و امتنان کا اظہار کیا، اور

www.abulhasanalinadwi.org

وزیر اعظم صاحب کے نام ملک کے کونہ کونہ سے شکریئے کے تار آئے، بیرونی ملک کے بھی بعض موقر تنظیموں اور علمی مجلسوں نے شکریہ وتحسین کے تار بھیجے، سعودی عرب، کویت، امارات، اور برطانیہ کے عربی اخبارات ورسائل نے پہلی مرتبہ اس پر مسرت کا اظہار اور حکومت ہند کی حقیقت پسندی کا اعتراف کیا۔

یہ واقعات کی منطق (LOGIC) اور حقیقت پسندی کا دانشمندانہ تقاضا تھا، اس موقعہ پر ایک مشہور برطانوی ماہر قانون بوڈن ہیمر (E.BODEN HEIMER) نے "فلسفۂ قانون اور اس کی سماجی اہمیت" سے بحث کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے، وہ یہاں پیش کیا جاتا ہے:۔

"کسی قانونی نظام سے جس کا منشا زندگی میں یکسانیت پیدا کرنا ہو، لوگوں کے ایک بڑے طبقہ میں یہ تأثر پیدا ہونا ہو کہ ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا ہے، تو اس قانون کو ٹوٹنے یا اس سے بچنے سے محفوظ رکھنا حکومت کے ذمہ داروں کے لئے انتہائی مشکل ہوگا، لوگ کسی ایسے قانون کو زیادہ دنوں تک برداشت نہیں کرسکتے جسے وہ نامناسب یا ناقابل برداشت سمجھتے ہوں، جو حکومت اس قسم کے نظام قانون کو برقرار رکھنے پر مصر ہو اسے اس کو نافذ کرنے میں سخت مشکلات کا سامنا کرنا ہوگا، اس لئے کوئی نظام جس کی بنیاد انصاف پر نہ ہو غیر محفوظ اور پرخطر ہوگا، جیسا کہ جان ڈکنسن (JOHN, DICKENSON) نے کہا ہے، ہمیں کسی عام اور متعین ضابطہ کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ ایسے ضابطہ کی جس کی بنیاد انسانی ضرورت اور صلاحیت پر ہو، ورنہ وہ نظام قابل عمل نہ ہوگا، یہ قانون منصفانہ اقدار، اندرونی رجحان کی خلاف ورزی کرے گا"

www.abulhasanalinadwi.org

ہمیشہ اس کی خلاف ورزی کی جائے گی، اور اتنا ناپائیدار ہوگا کہ اس کا جواز ہی ختم ہو جائے گا۔[1]

اس موقعہ پر اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ جہاں تک اس مسئلہ میں اتحاد رائے اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ سے تعاون کرنے کا تعلق ہے ملک کی تمام مسلم سیاسی وغیر سیاسی جماعتوں و تنظیموں اور مذہبی مکاتب خیال نے اس سے پورا اشتراک عمل اور تعاون کیا، اور ان کے قائدین نے اس مشترک ملّی مسئلہ سے پوری دلچسپی اور ہمدردی کا اظہار کیا، اور ملک گیر دوروں میں شریک رہے۔

اس سلسلہ میں ناسپاسی ہوگی اگر ہم ان خاص شخصیتوں کا نام نہ لیں، جنھوں نے پارلیمنٹ کے اندر اور پارلیمنٹ سے باہر پوری طاقت اور لیاقت کے ساتھ مسئلہ کی وکالت اور مسلمانوں کے جذبات کی نمائندگی کی، ان میں ارکانِ حکومت میں سے جناب ضیاء الرحمٰن انصاری صاحب اور ممبران پارلیمنٹ میں سے جناب محمود بنات والا صاحب خاص طور پر ملّت کے شکریہ کے مستحق ہیں، خواتین میں سے محترمہ نجمہ ہبۃ اللہ صاحبہ اور بیگم فخر الدین علی احمد صاحبہ اور بعض دوسری اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین نے اپنی دینی حمیّت اور اسلامی مسائل سے دلچسپی کا ثبوت دیا، اور اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ صرف مردوں کا طبقہ ہی اس جد و جہد میں شریک اور اسلام کے عائلی قانون سے مطمئن نہیں، بلکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین بھی اسلامی قوانین سے مسرور و مطمئن اور اس کی برتری و بہتری کی قائل ہیں۔

---

[1] E. BODENHEIMER, JURISPRUDENCE, HARVARD, 1967 P 212.

حضرات!

یہ دین جو ہم تک پہونچا ہے اور جس دولت کے ہم آپ امین اور (محافظ کا لفظ تو بڑا ہے) اس دولت کے حامل ہیں، وہ دین ہمیں دانشوروں، سماجی خدمت گاروں، اصلاحی کام کرنے والوں (REFORMERS) یا بانیانِ سلطنت کے ذریعہ نہیں پہونچا، یہ سارے گروہ قابلِ احترام ہیں لیکن کسی دین میں اور کسی تہذیب، نظامِ فکر، دبستان (SCHOOL OF THOUGHT) اور خالص مطالعہ، غور و فکر اور تجربہ کے نتائج میں ایک حدِّ فاصل، سرحدی لکیر (LINE OF DEMARCATION) ہوتی ہے، جو ایک کو دوسرے سے جدا کرتی ہے، اس خط کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، حدِّ فاصل یہ ہے کہ آسمانی مذاہب (ادیان) ان برگزیدہ افراد کے ذریعہ پہونچے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے نبوّت کے منصب سے سرفراز فرمایا تھا، اور جن پر وحی آتی تھی، اس نکتہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے خلط مبحث (CONFUSION) ہوتا ہے، زیادہ تر لوگ نادانستہ طریقہ پر ان مذاہب سے توقع اور بعض اوقات آگے بڑھ کر ایسی چیزوں کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں، جن کی ان مذاہب میں گنجائش اور ان کا کوئی جواز نہیں، وہ بعض اوقات ان کی تشریح کا فرض اپنے ذمہ لے لیتے ہیں، اپنی وسعت مطالعہ اور وسعت نظر کے اظہار کے لئے وہ مذاہب کی ترجمانی ایسی کرنے لگتے ہیں جیسے کہ یہ نرے فلسفے یا انسانوں کے بنائے ہوئے تہذیب و تمدن کے نظام اور سماجی تجربے اور معاشرتی نظریات ہیں، یہ ہے وہ غلطی جو نادانستہ طریقہ پر بعض بڑے ذمہ دار اور سنجیدہ لوگوں سے ہوتی ہے، وہ نہیں جانتے کہ

www.abulhasanalinadwi.org

دین اور غیر دین میں حدِّ فاصل اور امتیازی نشان کیا ہے؟ فلسفہ، سماجیات (SOCIAL SCIENCES) کا علم تہذیب و تمدن (CIVILIZATION) سوسائٹی اور انسانی معاشرہ یہ سب اپنی جگہ حقائق ہیں، ہم ان کا انکار نہیں کرتے، ان کا احترام کرتے ہیں، اور اپنے ذمہ ان کے حقوق سمجھتے ہیں، خود مسلم ملت ایک معاشرہ، تہذیب و تمدن اور فکر و دانش کا ایک مستقل مدرسہ (SCHOOL OF THOUGHT) بھی ہے، لیکن اس کی جو اصل حقیقت ہے، وہ یہ ہے کہ وہ ایک "دین" ہے اور اس دین کو دنیا میں پیش کرنے والے، اور اس کو بروئے کار لانے والے، اس کو ہماری زندگی میں داخل کرنے والے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام ہیں، اور یہ ان کی زبان اور ان کا طرزِ فکر نہیں، اس کا بنیادی چشمہ ان کے دماغ میں نہیں تھا، بلکہ ان سے باہر اور ان سے بلند تھا، اور وہ ان کے لئے اسی درجہ قابلِ احترام اور قابلِ اطاعت تھا، جیسے ہمارے آپ کے لئے اور سارے اُمتیوں کے لئے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝	اور وہ خواہشِ نفس سے منہ سے
اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝	بات نہیں نکالتے ہیں، یہ (قرآن)
(سورۃ النجم۔ ۳۔۴)	تو حکمِ خدا ہے (اور ان کی طرف بھیجا جاتا ہے)
مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ	آپ نہیں جانتے تھے کہ لکھنا پڑھنا
وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ	کیا ہوتا ہے، ہم نے اس کو ایک
نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ	نور کی طرح آپ کے سینہ میں اتارا

www.abulhasanalinadwi.org

مِنْ عِبَادِنَا ط وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (سورة الشوریٰ۔ ۵۲)	اور اس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں، ہدایت کرتے ہیں، اور بیشک (اے محمدؐ) تم سیدھا راستہ دکھاتے ہو۔

وحی ونبوّت کا فرق اساسی فرق ہے، ہمیں غیر مسلم بھائیوں اور غیر مسلم فضلاء سے زیادہ شکوہ نہیں کہ وہ وحی ونبوت کے عہد سے اتنے دور ہو چکے ہیں کہ ان کے مفہوم سے بھی بہت سے حضرات ناآشنا ہیں، بعثت محمدی سے پہلے خود عربوں کا یہی حال تھا، اس میں نہ کسی ذہانت کا انکار ہے اور نہ کسی کی نیت پر حملہ ہے، ایک تاریخی یا نفسیاتی تجزیہ ہے کہ جو شخص نبوّت اور وحی کی حقیقت سے واقف نہیں، اور نہیں جانتا کہ اس کا کیا مرتبہ اور حق ہے اور اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں، وہ کس چیز کی متقاضی ہے، وہ مسلمانوں کے بارے میں مشورہ دینے یا فیصلہ کرنے کا اخلاقی یا قانونی طور پر مجاز نہیں۔

دوسری ضروری بات یہ ہے کہ دین اسلام کے دائرہ کو سمجھ لیا جائے، اس بارے میں مذاہب میں خود اختلاف ہے، اور اس میں درجوں کا فرق ہے، کئی مذاہب ایسے ہیں کہ وحی ونبوّت سے ان کا آغاز ہونے کے باوجود انھوں نے مذہبی زندگی کو ایک خاص دائرہ میں محدود کر لیا ہے، مثلاً عبادات کے دائرہ میں، لیکن اسلام کا معاملہ یہ نہیں ہے، اسلام میں دین کا دائرہ پوری زندگی پر محیط ہے، یہ ایک اساسی حقیقت ہے جو عبد ومعبود کے تعلق کو سمجھے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتی، ہر مسلمان خدا کا فرماں بردار بندہ ہے اور اس کا تعلق خدا سے

www.abulhasanalinadwi.org

دائمی ہے، عمومی ہے، عمیق بھی ہے، اور وسیع بھی ہے، محدود بھی ہے، جامع بھی، قرآن شریف میں ہے:۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا	اے ایمان والو اسلام میں پورے
فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّلَا تَتَّبِعُوْا	پورے داخل ہو جاؤ، اور شیطان
خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ	کے پیچھے نہ چلو، وہ تو تمہارا صریح
عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ○ (سورۃ البقرۃ۔۲۰۸)	دشمن ہے۔

میں یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مسلمان اگر مسلم پرسنل لا (شرعی، عائلی قانون) میں تبدیلی قبول کرلیں گے، تو آدھے مسلمان رہ جائیں گے، اس کے بعد خطرہ ہے کہ آدھے مسلمان بھی نہ رہیں، فلسفۂ اخلاق، فلسفۂ نفسیات، اور فلسفۂ مذاہب کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ مذہب کو اپنے مخصوص نظام معاشرت و تہذیب سے الگ نہیں کیا جاسکتا، دونوں کا ایسا فطری تعلق اور رابطہ ہے کہ معاشرت مذہب کے بغیر صحیح نہیں رہ سکتی، اور مذہب معاشرت کے بغیر مؤثر و محفوظ نہیں رہ سکتا، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ مسجد میں مسلمان ہیں، (اور مسجد میں کتنی دیر مسلمان رہتا ہے، اپنے سارے شوق عبادت کے باوجود؟) اور گھر میں مسلمان نہیں، اپنے معاملات میں مسلمان نہیں، اپنے عائلی و خاندانی روابط و تعلقات میں مسلمان نہیں، حقوق کی ادائیگی اور ترکہ کی تقسیم میں مسلمان نہیں، اس لئے ہم اس کی بالکل اجازت نہیں دے سکتے کہ ہمارے اوپر کوئی دوسرا نظام معاشرت، نظام تمدن اور عائلی قانون مسلط کیا جائے، ہم اس کو دعوت ارتداد سمجھتے ہیں، اور ہم اس کا اس طرح مقابلہ کریں گے جیسے دعوت ارتداد کا

www.abulhasanalinadwi.org

مقابلہ کرنا چاہیئے، اور یہ ہمارا شہری، جمہوری اور دینی حق ہے، اور ہندوستان کا دستور اور جمہوری ملک کا آئین اور مفاد نہ صرف اس کی اجازت دیتا ہے، بلکہ اس کی ہمت افزائی کرتا ہے کہ جمہوریت کی بقا اپنے حقوق کے تحفظ اور اظہار خیال کی آزادی اور ہر فرقہ اور اقلیت کے سکون و اطمینان میں مضمر ہے۔

حضرات!

میں اجازت چاہتا ہوں کہ چند دن پیشتر (۲۲ نومبر ۱۹۸۶ء) کو وارانسی کی صوبائی دینی تعلیمی کانفرنس میں میں نے جو خطبہ پڑھا تھا اس کا ایک اقتباس آپ کے سامنے پیش کروں کہ وہ اس مسئلہ (مسلم پرسنل لا) سے بھی وہی تعلق رکھتا ہے، جو مسلمانوں کی نئی نسل کی دینی تعلیم کے مسئلہ سے، میں نے عرض کیا تھا کہ:

"آپ ایسے ملک میں ہیں جس میں اکثریت غیر مسلموں کی ہے، وہ جمہوری ملک ہے، اور وہاں قانون ساز مجلسیں قانون بناتی ہیں، جب یہ ملک جمہوری ہے تو پارلیمنٹ ہی قانون بنائے گی، اور جمہوریت کا یہ قاعدہ ہے کہ اکثریت کی رائے اور تائید سے قانون بنتا ہے، اس لیے ہر وقت اس کا خطرہ ہے کہ ایسے قوانین بنیں جو ہمارے بنیادی عقائد، مسلّمات، ہمارے جذبات اور ہماری ضرورتوں کے خلاف (بدنیتی سے کم اور ناواقفیت سے زیادہ) بنیں، یہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ وہاں مذہبی، تہذیبی، اور لسانی بنیادوں پر جارحانہ احیائیت AGGRESSIVE REVIVALISM اور کلّیت پسندی (TOTALITARIANISM) کی تحریکیں بھی زور شور سے چل رہی ہیں، اب آپ کا کام یہ ہے کہ ایسے سیکولر اور جمہوری ملک میں اپنے ملّی تشخص کی حفاظت آئینی طریقہ پر کریں، آپ ہندوستان کے وفادار، مفید،

www.abulhasanalinadwi.org

کارآمد اور اس کے ضروری جزو ہونے کی حیثیت سے اپنی افادیت و اہمیت ثابت کریں، اور مطالبہ کریں کہ کوئی قانون ہماری شریعت، آسمانی کتاب، اور ہمارے عقائد کے خلاف نہیں بننا چاہیئے، آپ اسی کے ساتھ یہ بھی ثابت کریں کہ خلاف شریعت قانون بننے سے آپ کو اس سے زیادہ اذیت ہوتی ہے، اور آپ کا ملّی وجود اس سے زیادہ خطرہ میں پڑ جاتا ہے، جتنا کھانا روکنے سے، کوئی جمہوری حکومت، کسی اقلیت اور کسی فرقہ کی غذائی ضرورتوں کو نہیں روک سکتی، کوئی حکومت چاہے کتنی ہی طاقتور ہو، یہ قانون نہیں بنا سکتی کہ فلاں فرقہ کو غلہ کی فراہمی روک دی جائے، یا بازار میں اس کو دکان کھولنے کی اجازت نہ جائے، یا اس کے بچوں پر تعلیم اور تعلیم گاہوں کے دروازے بند کر دیئے جائیں، ایسا اگر ہونے لگے تو آپ قیامت برپا کر سکتے ہیں، آپ ثابت کر دیں کہ اس قانون اور اس نئے نظامِ تعلیم سے آپ کو ایسی گھٹن ہو رہی ہے، جیسے مچھلی کو پانی سے نکال کر باہر رکھنے سے ہوتی ہے، آپ کے چہروں کے اتار چڑھاؤ، حرکات و سکنات سے معلوم ہو جائے کہ آپ کی صحت اور توانائی اور کارکردگی پر اثر پڑ رہا ہے، اور یہ محسوس کر لیا جائے کہ یہ ایک مغموم قوم کے افراد ہیں، اس نئے قانون سے ان کا دم گھٹ رہا ہے، اور یہ ان کی آئندہ نسل کے قتل کے مرادف ہے، یہ کام آپ کو خلوص کے ساتھ عملی طور پر ایسی کیفیات کے ساتھ کرنا ہوگا کہ ہر شخص اسٹیشنوں، پارکوں، اور بسوں میں آپ کی بے چینی کو محسوس کرے، اگر آدھا نہیں تو کم از کم اس کا چوتھائی حصہ ثابت کرنا ہوگا، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ایک ہفتہ بھی ایسا قانون نہیں چل سکتا، میں نے دنیا کے آئینوں اور دستور حکومت کا مطالعہ کیا ہے،

www.abulhasanalinadwi.org

اور جمہوریتوں کی تاریخ پڑھی ہے، اس لئے میں یہ بات کہہ رہا ہوں۔"

برادرانِ ملّت!

اب میں اس مجمع کو ایمانی و قرآنی زبان میں خطاب کرنا چاہتا ہوں، اور آپ کی عملی زندگی کا محاسبہ کرتا ہوں، آپ دیکھئے کہ آپ اسلامی و قرآنی قانونِ معاشرت کا خود کتنا احترام کرتے ہیں، اس پر خاندانی روایات کو اور رسم و رواج کو کتنی ترجیح دیتے ہیں؟ اس پر اس کا اضافہ کیجئے جو آپ نے اپنے ہم وطنوں سے سیکھا ہے، جہیز کا بڑھا چڑھا مطالبہ ہم میں کہاں سے آیا؟ اس کو کسی نام سے یاد کیا جاتا ہو، یہ چیز کہاں سے آئی؟ مکّہ، مدینہ، حرمین شریفین سے آئی ہے؟ قرآن مجید کے راستہ سے آئی، یہ لعنت کہاں سے آئی؟ جب آپ اس کو قبول کرتے ہیں تو بطور سزا کے آپ کی غیرت ملّی کو، آپ کے وجود ملّی کو بار بار نشانہ بنایا جاتا ہے۔

میں ببانگ دُہل اعلان کرتا ہوں کہ ہم لوگ (شرعی قانون میں قانون سازی کے ذریعہ مداخلت کی) جو شکایت کرتے ہیں، وہ شکایت بجا ہے، ہم شکایت کرتے رہیں گے اور شکایت کرنا ہمارا حق ہے، ایک جمہوری ملک میں جہاں قانون چلتا ہو، جہاں ہر شہری کو برابر کا حق دیا گیا ہو، وہاں ہر شہری کو اور شہریوں کی ہر تنظیم کو اور آبادی کے ہر عنصر کے نمائندوں کو یہ حق ہے کہ پارلیمنٹ (ایوان قانون ساز) میں اپنے قومی عوامی جلسوں میں، اپنی مجلسوں میں اور اخباروں کے کالموں میں، وہ اس بات کی شکایت کریں کہ ہمارا فلاں حق نہیں مل رہا ہے، ہمارے ساتھ ناانصافی ہو رہی ہے، کوئی ملک جس کی جمہوریت پر بنیاد ہو، جو جمہوری ہو، اس کے بغیر

www.abulhasanalinadwi.org

نہیں چل سکتا، حقیقت پسند حکومتیں اس بات کا اہتمام کرتی ہیں کہ ان کے ایوانِ قانون ساز میں ایک حزب مخالف رہے، ایک اپوزیشن پارٹی ہو، تاکہ اس کے ذریعہ حکومت کو اپنی خامیاں معلوم ہوتی رہیں، اور اس کو ملک کی آبادی کو زیادہ مطمئن کرنے اور مطمئن رکھنے کا موقعہ ملتا رہے، اس لئے ہم اپنی حکومت سے شکایت کریں گے اور سو بار کریں گے، اور اس کو اس پر فخر کرنا چاہئے کہ ہمارے ملک میں شکایت کرنے کا حق ہے، یہ حق سلب نہیں کیا گیا ہے، ہمیں اپنی آواز بلند کرنے کا حق ہے، ہم اسی میں ملک کی فلاح سمجھتے ہیں، وہ ملک خطرہ میں ہے، جہاں زبان بندی کا قانون نافذ کیا جائے، جہاں کسی کو کراہنے اور آہ کرنے کی اجازت نہ ہو، اس لئے ہمارے اس ملک کا یہ افتخار، ہمارے اس ملک کی یہ خصوصیت باقی رہنی چاہئے، ہم ہمیشہ اپنے آئین ساز بھائیوں سے اور ارکانِ حکومت سے انتظامیہ (ADMINISTRATION) اور حکمراں جماعت سے شکایت کریں گے۔

لیکن جب ہم اہلِ حکومت اور برادرانِ وطن سے شکایت کرتے ہیں تو ہمیں آپ سے شکایت کرنے کا حق کیوں نہ ہو؟ ان سے تو شکایت کریں گے اور ان کا دامن پکڑیں گے، لیکن آپ کا گریبان پکڑ لیں گے، اور وہ ہاتھ ہمارا ہاتھ نہیں ہوگا، وہ دینی احتساب کا ہاتھ ہوگا، وہ شریعت کا ہاتھ ہوگا جو آپ کا گریبان پکڑے گا، اور کہے گا کہ پہلے تم اپنے گریبان میں منھ ڈال کر دیکھو کہ تم اس قانون پر کتنا چلتے ہو، تمہاری نگاہوں میں اس قانون کی کتنی حرمت ہے؟ تم جہاں اس قانون کو چلا سکتے ہو وہاں چلا رہے ہو کہ نہیں؟ تم تو اپنے گھروں میں اس قانون کو نہ چلاؤ اور حکومت سے مطالبہ کرو کہ وہ تمہارے قانون کو چلائے،

www.abulhasanalinadwi.org

اس کا احترام کرے؟

یہاں سے یہ عہد کر کے جایئے کہ اب قانون شریعت پر آپ چلیں گے، یہ جہیز کی کیا مصیبت ہے؟ لڑکے والوں کی طرف سے مطالبات کی ایک لمبی چوڑی فہرست پیش ہوتی ہے، شرائط پیش کئے جاتے ہیں، ان کے پورا نہ ہونے پر یہ معصوم لڑکیاں جلادی جاتی ہیں، ملک میں سیکڑوں واقعات پیش آتے ہیں، صرف دہلی میں ہر بارہ گھنٹے پر ایک نئی بیاہی دلہن کو جلا کر مار ڈالا جاتا ہے[1]، کیا اس کائنات کے خالق اور نوع انسانی کے مربّی (جس کی مخلوق مرد و عورت دونوں ہیں) کو یہ چیز گوارہ ہو سکتی ہے؟ کیا اس ظلم کے ساتھ کوئی ملک کوئی معاشرہ پنپ سکتا ہے، خدا کی رحمت و نصرت کا مستحق ہو سکتا ہے؟ آپ رحمۃ للعالمین کی امّت ہیں، آپ کے ہوتے ہوئے دوسروں کو بھی اس کی ہمّت نہیں ہونی چاہئے تھی، میں نے دہلی کے ایک جلسہ میں کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:-

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ	اور خدا ایسا نہ تھا کہ جب تک تم ان میں
فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ	تھے انھیں عذاب دیتا، اور نہ ایسا
وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝	تھا کہ وہ بخشش مانگیں اور انھیں
(سورۃ الانفال۔ ۳۳)	عذاب دے۔

آپ رحمۃ للعالمین کی اُمت ہیں، آپ کے ہوتے ہوئے ہندوستانی سماج میں، ہندوستان کے معاشرہ اور سوسائٹی میں یہ ظلم ہو، اس کو عقل قبول کرنے کے لئے تیار نہیں، آپ کے ہوتے ہوئے بھی یہ نہیں ہونا چاہئے تھا، چہ جائیکہ آپ کے ہاتھوں ہو،

---

[1] قومی آواز دہلی ۱۰ جون ۱۹۸۴ء

www.abulhasanalinadwi.org

عہد کیجئے کہ آپ اسلامی طریقہ پر شریفانہ انسانی طریقہ پر شادی کا پیام دیں گے، آپ لڑکی مانگیں گے، اپنے لئے رفیقۂ حیات کی تلاش کریں گے، بیٹے کے لئے پیام دیں گے، جہیز کے لئے آپ کے بڑھے چڑھے مطالبات نہیں ہوں گے کہ ہمیں یہ ملنا چاہئے، وہ ملنا چاہئے، لڑکوں کو اور ان کے وارثوں اور بزرگوں کو اس کا عہد کرنا چاہئے کہ ہم اپنے یہاں تو کیا ہم اس ملک سے اس رسم کو ختم کر دیں گے۔

ایسا ہی ترکہ شرعی طریقہ پر تقسیم ہونا چاہئے، نکاح شرعی طریقہ پر ہونا چاہئے اور عورتوں کی، بیویوں کی تعداد وہی ہونی چاہئے، جو شریعت میں بیان کی گئی ہے، طلاق کا مسنون طریقہ معلوم کرنا چاہئے، مسنون اور افضل طریقہ کیا ہے؟ پھر اس کے بعد فقہی طلاق جس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے، اس کو سمجھنا چاہئے کہ طلاق رجعی کیا ہوتی ہے؟ طلاق بائن و مغلظہ کیا ہوتی ہے؟ پھر اس میں طلاق کو آپ یہ سمجھیں کہ طلاق ابغض المباحات ہے، خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جائز ہے، لیکن آخری درجہ کی چیز ہے، بڑی مجبوری کی چیز ہے، جو اپنے کو حرام چیزوں سے اور زندگی کو تلخ بننے سے بچانے کے لئے بہت مجبوری سے دل پر پتھر رکھ کر اختیار کی جاتی ہے، یہ نہیں کہ طلاق ایک فیشن ہو گیا ہے، جو لوگ مسلمانوں کو یہ طعنہ دیتے ہیں، اس میں تھوڑی سی ہماری کوتاہی کو بھی دخل ہے، جتنا طعنہ دیتے ہیں، اتنے کے مستحق تو ہم ہرگز نہیں ہیں۔[1]

ہم جانتے ہیں کہ یورپ میں کیا ہوتا ہے؟ وہاں کا معاشرہ کس طرح

---

[1] مسلمانوں میں طلاق کی شرح وہ نہیں ہے جو بیان کی جاتی ہے، اس میں مبالغہ اور رنگ آمیزی سے کام لیا جاتا ہے، پھر بھی تھوڑی سی بے اعتدالی ضرور ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

برباد ہو رہا ہے، وہاں ساری عمر ناجائز طریقہ پر جنسی تعلق قائم رکھنا جائز ہے، کوئی اس کو نہیں ٹوکتا لیکن طلاق دینا معیوب ہے اور اس میں ہزار قدغنیں ہیں، یہ کہاں کا انصاف ہے؟ ہم اپنے قانون سے ہرگز شرمندہ نہیں، ہم اس کے ایک ایک نقطہ کی ذمہ داری لینے کے لئے تیار ہیں، ہمارے علماء نے اس پر ایک کتب خانہ تیار کر دیا ہے، اور چند مہینوں سے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ اور اس کے واجب الاحترام امیر کی ذاتی نگرانی میں مستند علماء اور ماہرین فقہ کے ذریعہ جدید زبان و اسلوب و ترتیب کے ساتھ عائلی قانون اور مسائل نکاح و طلاق و حقوق و فرائض کی تدوین کا کام شروع ہو گیا ہے، اور اس کا خاصا حصہ مرتب ہو کر ممتاز علماء اہل نظر کی خدمت میں رائے و مشورہ کے لئے بھیجا جا چکا ہے، اس کی ترتیب کے بعد عدالتوں اور مجلس قانون ساز اور معترضین کو یہ کہنے کا حق بھی نہیں ہوگا کہ ہمارے پاس قدیم تراجم کے علاوہ جو زیادہ تر غیر مسلم قانون دانوں اور مصنفین کی مرتب کی ہوئی ہیں، شریعت اسلامی کا مستند و براہ راست کوئی مجموعۂ قوانین نہیں ہے، اسی کے ساتھ اصلاح معاشرہ، اصلاح رسوم اور مسلمانوں کی عائلی زندگی کو شرعی احکام، قرآنی تعلیمات اور اسوۂ نبویؐ کی روشنی میں منظم و بہتر بنانے کی کوشش بھی جاری کر دی گئی ہے، اور جا بجا دار القضاء بھی قائم کئے جا رہے ہیں، تاکہ مسلمان اپنے تنازعات و مسائل خاص شریعت کی روشنی میں حل کریں، اور امکانی حد تک مقدمات و اختلافات کا فیصلہ کرانے میں (خصوصیت کے ساتھ جن کا تعلق احکام شرعی سے ہے) خود کفیل ہو جائیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

آخر میں آپ کے اس اعتماد و اعزاز کا نیز آپ کی توجہ و التفات کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جس کا آپ نے مجھے اپنے خیالات کے بے لوث و آزاد طریقہ پر پیش کرنے کی اجازت دے کر اظہار فرمایا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

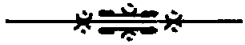

www.abulhasanalinadwi.org

www.abulhasanalinadwi.org